صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضور
اختر لکھنوی

اختر لکھنوی

نام کتاب — حضور

Acc. No, 1428M8

مصنف — اختر لکھنوی

سالِ اشاعت — ۱۹۸۸ء ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ

طبع اوّل — ایک ہزار

خوشنویس — حبیب عالم

طابع — احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد کراچی

زیرِ اہتمام — بزمِ اربابِ سخن پاکستان۔ ۲۶۔ ون ڈی
دولت ہاؤس، اورنگی، کراچی نمبر ۴۱

نگرانی — قمر وارثی

ناشر

قلم نشان پاکستان

۱۷۴/۵ ای اورنگی، کراچی ۔ ۴۱

۳۰؍ روپے

فہرست

اس ذاتِ اقدس ؐ کے نام

جس نے مجھے

ہر طرح سے نوازا

حضوری کا شرف بخشا

زندگی کی معراج عطا کی

اور

اپنے شجرِ سایہ دار میں رکھا

ان کے در کے فیض سے سرشار ہونا تھا ہوئے
عمر بھر کے خواب سے بیدار ہونا تھا ہوئے

علی سلیم گل محمد وارثی

وسیلۂ حاضری

جناب اختر لکھنوی کا مجموعۂ نعت میرے سامنے ہے، نعت کے لکھنے والے اپنے ظرف کے معیار کا سہارا لے کر لکھتے ہیں، بعض وقت اس میں کچھ تخیل کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ کم لوگ ایسے ہیں جو صاحبِ بصیرت ہیں اور انکے قلب کیفِ حقیقت سے پُر ہوتے ہیں یہ لوگ جب لکھتے ہیں تو بصیرت یا دیدنی واقعات و کیفیت کا مظاہرہ انکی نعت سے ہوتا ہے اور اتنا اثر پذیر ہوتا ہے کہ قاری مقناطیسی کشش کی طرح محظوظ ہوتا رہتا ہے اور متواتر پڑھنے پر بھی کتاب سے الگ ہو نہیں پاتا۔

ایسے لوگوں میں جناب اختر لکھنوی بھی ہیں جنہیں بصیرت اور کیفیت سرکارِ دوعالمؐ کے دربار میں حاضری سے ملی۔ انھوں نے اس کیفیت کو نعت میں منتقل کیا۔ یہ اپنی بصیرت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

ہر وقت تھا اک نور کی بارش کا تسلسل
ہر گام پہ اللہ کا جلوہ نظر آیا !!

سرکارؐ میں حاضری تو بہت سے غلاموں کو ہوئی ہے لیکن ان میں چند ہی ایسے ہوتے ہیں جنہیں آقاؐ اسرار و رموز اور تجلیات سے ہمکنار کرتے ہیں۔ انہیں میں جناب اختر لکھنوی بھی ہیں کتاب سامنے ہے، پڑھ رہا ہوں، ایسا لگتا ہے حضورؐ کے سامنے ہوں اور رحمت کی بارش ہو رہی ہے، یہ استفادہ صاحبِ قلم کے ذریعہ ہوا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہر پڑھنے والا ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہو اسی وسیلے سے حضورؐ اسے اپنے دربار میں بلا لیں آمین!

سلوک و طلب کا سفر

اظہر عباس ہاشمی

بس سنہری جالی ہو تھرتھراتے ہاتھوں میں
اور میرے ہونٹوں پہ آپؐ کا قصیدہ ہو

یہ خواہش دل سے کی جائے اور اُس رحمت اللعالمین کے در سے بلاوا نہ آئے ممکن ہی نہ تھا

اللہ اللہ یہ کرم انکا کہ انکے گھر گئے
اور زیرِ سایۂ دیوار ہونا تھا ہوئے

یہ خاموش طبع شاعر کس طرح اس در پر حاضر ہوئے یہ منظر دیکھنے کی سعادت و شرف ہمیں بھی حاصل ہوا۔ جناب اخترؔ لکھنوی نے حرمین الشریفین میں دو ہفتے جسطرح گذارے وہ میرے تصور کے مطابق ــــ گدائے درِ مصطفٰےؐ کی تمام خصوصیات سے متصف تھے ــــ!! "سلوک و طلب" کے اس سفر میں عبادات روحانی و جسمانی تو ہر زائر کرتا ہے۔ اور بقدر ظرف ہر ایک اس سفر کے فیوض و برکات سے سرشار بھی ہوتا ہے لیکن اظہار کی استطاعت عطیۂ خداوندی ہے ــــ اور زیرِ نظر کتاب کا ہر ہر شعر سچے جذبات اور گہری عقیدت کا عکاس ہے ــــ خدا اس کیفِ لطف کو باقی رکھے اور یہ دعا بھی شرف قبولیت حاصل کرلے ۔

آپ چاہیں گے تو محفوظ بھی رہ جائے گی
روح میں اتری ہوئی آپ کے در کی خوشبو

خدا انکو خوش رکھے ۔ اور انکے طفیل ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرمائے۔

❋ ❋

تابش دہلوی

طلب صادق ہو تو گوہرِ مقصود ضرور ملتا ہے، اور یہی کچھ اختر لکھنوی کے ساتھ ہوا۔ وہ پاکیزہ شاعری کرتے ہیں، ان کی غزلیہ شاعری بھی لطافت سے مملو ہے اور یہی پاکیزگی ان کی نعت میں ان کی درِ حضور پر حاضری کا حوالہ بنی، وہ درِ رسولؐ پر حاضری کے بیتابی سے آرزومند تھے اور اس بیتابی میں طلبِ صادق اور حبِ رسولؐ کے وہ عناصر شامل تھے جو انہیں بالآخر درِ نبیؐ تک پہونچانے میں کامیاب ہو گئے۔

زائرین کا ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں اختر لکھنوی بھی شامل تھے جب جدہ کے ہوائی اڈے پر پہونچا تو ہر زائر بیت الحرام اور درِ نبیؐ کی حضوری کے لئے بیتاب تھا، بعض کا پیمانۂ جذبات اسقدر لبریز ہو چکا تھا کہ اگر ذرا بھی تاخیر ہوئی تو چھلک جائیگا اور بعض ضبط سے اپنے جذبات کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ اختر لکھنوی گم سم تھے اور ان کے بشرے سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جذبات کیا ہیں بیتابی یا سکون!! الغرض چند ساتھی سیدھے بیت الحرام روانہ ہو گئے اور باقی ان سے بعد میں جا ملے۔ زائرین کے قافلے کے سالار جناب اظہر عباس ہاشمی تھے، حرم میں دو تین روز گذارنے کے بعد ہم لوگ دیارِ رسولؐ روانہ ہو گئے۔ سینوں میں شوق اور جذبات کا ایک سیلاب لئے، زبانِ بے زبانی میں مدحِ رسولؐ کرتے اور آنسوؤں کے موتی بکھیرتے جب ارضِ رسولؐ کی حدود میں داخل ہوئے تو سب اپنے اپنے جذبات کے جائزے میں مصروف نظر آئے۔

اختر لکھنوی بھی انہی میں تھے۔ پھر یہ ہوا کہ پنج گانہ نمازوں کے سوا اختر لکھنوی بہت کم ہم لوگوں کے ساتھ نظر آئے وہ ہمہ وقت مدینہ کی گلیوں میں مصروف رہتے اور اس آرزو میں کہ شاید یہاں شاید وہاں انہیں پیرہن رسول ؐ کی خوشبو میسر آجائے۔ غرض انہوں نے ہم سے زیادہ مدینہ اور بام و در مدینہ کا احاطہ کیا اور اس خشوع کے ساتھ کہ انکی جستجو اور انکی یہ تلاش انہیں پھر ایک بار مدینہ کی فضاؤں میں گم ہونے کی سعادت میسر کر رہی ہے، وہ پھر دیار رسول ؐ میں سانس لیں گے اور میرے لئے یہ مرحلہ ان سے رشک کا باعث ہوگا۔

❋ ❋

شبنم رومانی

اختر لکھنوی ایک صاحب مقصد شاعر اور ایک صاحب خدمت انسان ہیں وہ صوفی نہیں مگر صوفی منش ضرور ہیں۔ محبت ہی محبت، خیر ہی خیر۔ اور یہ دولت انکو خیر الامم ؐ کی محبت سے ملی ہے۔

گو اختر لکھنوی کی یہ نعتیں شاہد ہیں کہ وہ عمرے سے بہت پہلے کہ چکے ہیں۔ یہی انکی اصل کمائی ہے۔ سچے دمکتے موتیوں کی طرح جذبات اور کھرے کھنکتے سکوں کی طرح الفاظ، وہ ایک ایک مصرع میں سعی اور ایک ایک شعر میں طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ ان کا عمرہ اور انکی نعتوں کا یہ نذرانہ مقبول بارگاہ ہو چکا ہے۔ ثبوت اس امر کا یہ ہے کہ ایک سال کے اندر اندر دوسری بار حرمین شریفین کی زیارت کے لئے ان کا بلاوا آیا ہے۔

حسرت آتی ہے وہ پہونچے میں رہا جاتا ہوں۔

❋ ❋

سرشار صدیقی

شعر میں ہجرت اور بے زمینی کے بنیادی موضوع کے حوالے سے میرا اور

اختر لکھنوی کا درد "مشترک" ہے ہم دونوں اس امانتِ احساس کو اجتماعی المیئے اور تاریخی حقیقت کے ورثے کے طور پر اپنی آنے والی نسلوں تک پہونچانے کا ذریعہ انجام دے رہے ہیں۔

میرے لئے یہی احساس یگانگت کیا کم تھا کہ پچھلے برس مجھے ان کا "شریکِ طواف" ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ــــ اللہ کے گھر اور اسکے محبوبؐ کے در پر ہمارے اشکوں کے رنگ اور گریہ کے آہنگ بھی مختلف نہیں تھے۔ اور اسی لئے اختر کی یہ نعتیہ شاعری کیفیات کی باہمی مماثلت اور روحانی تجربات کی یکسانیت کے تناظر میں مجھے اپنے ہی دل کی دھڑکنوں کی بازگشت محسوس ہو رہی ہے۔

❋ ❋

محترم علی سلیم گل محمد وارثی، جناب ایس ایچ ہاشمی، جناب اطہر عباس ہاشمی، جناب تابش دہلوی، جناب شبنم رومانی اور جناب سرشار صدیقی کی یہ تحریریں میرے دوسرے عمرے کی ادائیگی سے ذرا پہلے کی ہیں

اختر لکھنوی

ایس ایم ہاشمی
مینیجنگ ڈائریکٹر اورینٹ ایڈورٹائزرز

زائر بھی اہلِ نظر بھی

نعت و مدحتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق و جستجو نہ تو کوئی جدید ایجاد و اختراع ہے نہ اس کی تاریخی قدامت اور اس شعری صنف کا فنی ارتقاء غیر معروف یا غیر مانوس۔ بلکہ حضور نبی اکرم رحمت مجسم کے عہد میں ہی اس اندازِ توصیف اور ذوقِ عقیدت کے معروف ہو جانے کی اسناد موجود ہیں۔ اس ضمن میں، ورفعنا لک ذکرک سے لے کر وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین تک ان بہت سی آیاتِ ربانی کا مطالعہ بھی نہایت افادیت کا حامل ہے جن کے ذریعے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر، محسنِ انسانیت، رہبرِ کامل سید المرسلین، خاتم النبیین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت، اور اوصاف و محاسن بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ توفیقِ الٰہی اور عقیدتِ رسالتمآب کا ذوقِ فراواں شاملِ حال نہ ہو تو مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر شایانِ شان انداز میں جنبشِ لب کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ مجھے یہ عرض کرنے میں تامل نہیں کہ سرکار دو عالم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت و عقیدت کے والہانہ جذبات میں ڈوب کر آپ کے محاسن و مناقب نثر میں لکھنا یا ان احساسات کو منظوم کرنا، مزید یہ کہ ان نعتیہ اشعار کو صحت و ادب کا اہتمام قائم رکھتے ہوئے ادا کرنا، گویا ہر ایک نازک ترین مرحلہ بھی ہے اور ان افکار حسین و لطیف کو دامن محبت میں سمیٹ لینے کا احساس جوہر خداداد بھی، جو یقیناً کسی کسی خوش نصیب کو عطا ہوا ہے۔ ورنہ انسان اس لطافتِ اظہار، شکوہِ الفاظ اور حسنِ کلام کی بلندی کو کس طرح چھوتا! ایک ہی

شعر ہمارے سامنے اس عطیہ خداوندی کی زندہ مثال ہے ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا !!

جناب اختر لکھنوی مستحق مبارکباد ہیں کہ انہیں نہ صرف حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی بلکہ انہیں سرکار دو عالم کی شان میں ایسے محبت آفریں اشعار کہنے کا ذوق اظہار و آگہی بھی ملا۔ کہ اب وہ ایک گلدستۂ نعت کے حامل بن کر روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوبارہ حاضر ہوئے گویا زائر بھی ہیں اور اہلِ نظر بھی اختر لکھنوی کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

چند دن گنبد خضرا کو فقط دیکھا تھا
کتنا آسان ہوا اہلِ نظر ہو جانا

بہرکیف راقم السطور کا مقصد نہ تو اس شعری مجموعہ کا فنی مقام و مرتبہ معین کرنا ہے نہ اس موقع پر نعت گوئی کی پوری تاریخ بیان کی جاسکتی ہے۔ تاہم یہ سراسر بے انصافی ہوگی کہ میں جناب اختر لکھنوی کی طبعی سادگی، شرافت، سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن جمال و کمال سے وارفتہ محبت کا ذکر نہ کروں۔

پیشِ نظر نعتیہ مجموعے میں جو نعتیں شامل کی گئی ہیں ان کے مطالعے سے واضح طور پر یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کی شعر گوئی میں سادگی، سچائی اور حسنِ لطافت کے ساتھ ساتھ فکری تنوع بھی ہے۔ وہ محبتِ سرکارِ مدینہ سے سرشار بھی ہیں۔ اور ان لمحاتِ شیریں و معطر کے دوران حیران و ششدر بھی کہ پروردگار عالم نے اُن کے لئے مدینے کا سفر، گنبد خضریٰ کا دیدار، اور مواجہ شریف میں حاضری کو ممکن بنا دیا ہے۔ یہی وہ احساسِ لطیف اور وارداتِ قلبی ہے جو ان کے اشعارِ نعت کا مرکزی خیال بن گئی ہے۔ اور ان کا تمام و کمال اظہارِ خیال انہی جذباتِ عقیدت کا محور نظر آتا ہے۔ کسی تخلیق کاوش کی کامیابی کے لئے یہ بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔

میری دعا ہے کہ ربِ کائنات ہم سب کے دلوں میں یہی جذبۂ محبت اور ذوق اطاعت جاگزیں کرے کیونکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ اخوت اور عشقِ محمد مصطفےٰ کو آپ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کے ساتھ ہم سچے دل سے اپنالیں تو آج بھی ہمارے ملک و معاشرے میں ایمان وایقان، اور آسودگیٔ قلب کی روشنی پھیل سکتی ہے۔

شفیق الدین شارق

اختر لکھنوی کی نعتیہ شاعری

شگفتہ و شاداب زمینوں میں غزل کے اشعار کہنے والے ایک شاعر نے جب یہ شعر کہا سے

کچھ صلہ بھی بندگی کا چاہیئے　　اُن کے در پر ایک سجدہ چاہیئے

تو مجیب الدعوات کی جناب میں اُسے قبولیت حاصل ہو گئی۔ قبولیت کی تکمیل کا حساب عالمِ انتظار کی پر بہار مدت میں پورا ہونے کے بعد جب اُس شاعر کا بلاوہ آیا تو وہ اس کے جواب میں لبیک اللّٰھم لبیک کہتا ہوا عمرے کے سفر پر روانہ ہو گیا اس بلاوے پر اس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ وہ تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز یہ کہتا ہوا۔

دینے درِ حضور پہ نذرانہ جان کا　　لے کر دلوں میں اپنے غمِ معتبر چلو

پورے قلبی خلوص اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ کعبۃ اللہ جا پہنچا۔ عمرے کی سعادت سے مشرف ہوا۔ ایمان کو تازہ کیا اور پھر ایمان کو تازگی کی اس کیفیت میں پہنچانے والے کے تصور سے اپنے خیالوں کو سجائے جب مدینۂ منورہ پہنچا تو سبز گنبد کے دیدار نے اُس کی پلکوں پر وہ چراغاں کیا کہ اس کی نظر اس کے دل اور اس کی جان کے سارے گوشے روشن ہو گئے۔ اس پاکیزہ اور سکون بخش روشنی میں اس نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ محسوس کیا وہ اس نے اپنی رگوں میں اتار لیا جو رگیں خشک ہونے لگیں تھیں انہیں حیات نو مل گئی۔ جو تمنائیں سیراب ہونا چاہتی تھیں وہ حرمِ رسول کی فضاؤں

یں تازہ دم ہوگئیں۔ جذبات اور محسوسات نے ایک خوشگوار انگڑائی لی اور ابر رحمت کی پھوار میں نورانی غسل کر کے ایک نئی حسیت کا جامۂ ادراک پہن لیا۔

جھپکی نہ پلک تھی کہ ہوئی ذات کی تکمیل

تعبیر بکف خواب تمنا نظر آیا

اپنی سوچ کی سچائی، اپنی فکر کی تازگی، اپنے جذبے کا خلوص، اپنے عمل کی درستگی، اپنے ارادے پر یقین اور اپنے عقیدے پر ایمان رکھنے والے اس شاعر کا نام ہے: اخترؔ لکھنوی۔

گھر سے نکلو تو ذرا، دیکھو گے تم بھی اخترؔ   دھوپ میں آپؐ کی یادوں کا شجر ہو جانا

جب تک نورانی جلوؤں کا چاند اس کی آنکھوں میں نہ اترا تھا وہ اس کی تمنا میں ایسے شعر کہتا تھا۔

اپنی اطاعت اپنی محبت مجھے بھی دو

روضہ پہ پڑھوں سلام اجازت مجھے بھی دو

میری جبیں پہ آپؐ کے کوچہ کی خاک ہو!

یہ مرتبہ یہ شان، یہ شوکت مجھے بھی دو

طیبہ نگر ہو اور مرے پا برہنہ ہوں

یہ فخر، یہ غرور، یہ عزت مجھے بھی دو

تصور گنبدِ خضرا کا جب بھی کر لیا اخترؔ

اجالوں کو اترتے ہم نے اُن لمحات میں دیکھا

یہ خالی خولی الفاظ نہ تھے، دل کی لگن تھی جس نے انہیں منزلِ مراد تک پہنچایا حرمین شریفین سے وطن لوٹ کر آنے والے اخترؔ لکھنوی وہاں جانے سے پہلے کے اخترؔ لکھنوی سے قدرے مختلف نکلے۔ زیادہ پر یقین، زیادہ باعزم اور زیادہ توانا۔

حیات کے لئے عنوان نئے ملے ہم کو   نئے حوالے، نئے سلسلے ملے ہم کو

زیارت سے پہلے انہیں رقتِ قلب حاصل تھی اور وہ صاحبِ دیدۂ تر بھی تھے جیسا کہ قبل از زیارت کے نعتیہ اشعار سے ظاہر ہے لیکن حاضری کے بعد تو انہیں حضوری کی نعمت بھی مل گئی۔ یہ اسی حضوری کا طفیل ہے کہ بعد کی نعتوں میں ایک کیف آور، وجد آفریں، اور روح پرور سماں سرایت کر گیا ہے۔ وہ جن تجلیات کی جھلکیاں وہاں سے سمیٹ کر لائے وہ کرن کرن نعتیہ اشعار کی صورت میں نمودار ہونے لگیں قلبِ گداز میں غم معتبر اور دیدۂ تر میں طیبہ نگر کی راہوں کے چراغ تو وہ رکھتے ہی تھے اب غارِ حرا سے پھوٹنے والی روشنی میں سے بھی اپنا حصہ لے آئے ہیں۔

میرے مالک کی طرف سے مرا حصہ ٹھہرا
دل میں یادِ شہِ ابرارؐ کا گھر ہو جانا

یہ عطا انہیں بارگاہِ عالی سے حاصل ہوئی لیکن اس کو انہوں نے اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کیا۔ وہ اِس طرح سے کہ سرشاری اور شیفتگی کی جن کیفیات سے وہ حدودِ حرم میں رہتے ہوئے گزرے انہیں، نیز پردۂ احساس پر دکھائی دینے والے ہر منظر کو لفظ لفظ دوسروں تک پہنچانے کی سعیِ بلیغ بھی کی۔ اس کی تفہیم اُن صاحبانِ دل کو ضرور ہوگی جنہوں نے حرم نبویؐ کی فضاؤں اور ان فضاؤں سے مترشح ہونے والی کیفیات کو اپنی روح میں سمو لیا ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کی شاعری سراسر آمد ہے اور خدائے بخشندہ کی بخشی ہوئی سعادت۔ یہاں تحمید کے وہ اشعار بھی دیکھیے جو حُبِ رسولؐ کے طفیل شاعر کے قلب پر نازل ہوئے۔

ہر وقت تھا اِک نور کی بارش کا تسلسل
ہر گام پہ اللہ کا جلوہ نظر آیا

سبز گنبد کی فضا پاس سے جب دیکھتا تھا
وہ مجھے سورۂ رحمٰن سنا دیتی تھی

وہی دلیل ہوا بارگاہِ عالی میں
وہ اِک یقین جو دلِ بیقرار میں رکھا

خدا سے مانگو وسیلے سے ان کے پھر دیکھو
دعا کو مل کے رہے گا اثر کا سرمایہ

اس کے ساتھ ہی اس خواہش اور اس ارادے کے اظہار کا التزام بھی ہے کہ اس

والہانہ کیفیت کا تسلسل ہمیشہ قائم رہے اور موج در موج رواں رہے۔

اخترؔ لکھنوی کی یہ نعتیں جس کیفیت، جس جذبے اور جس فکر کا نتیجہ ہیں اُن میں ہر لفظ اپنے معنی کے ساتھ ایک مضبوط اندرونی رشتہ رکھتا ہے۔ یہ رشتہ اپنا ابلاغ صرف مفہوم کے لحاظ سے نہیں کرتا بلکہ اپنے تمام متعلقات کے حوالوں سے کرتا ہے۔ اخترؔ لکھنوی کی شاعری کا سب سے اہم عنصر وہ کیفیت ہے جو اُن پر طاری ہوئی۔ اس کیفیت کا اظہار اس نعتیہ مجموعہ کے شعر شعر سے بخوبی ہوتا ہے اور یہ شاعر کی ایک بڑی کامیابی ہے۔ جس خودی اور فکر و آگہی کا احساس اِن نعتوں میں پایا جاتا ہے وہ صرف اور صرف حبّ رسولؐ کی دین ہے۔ اس دین پر اخترؔ کو ناز بھی ہے۔ کہتے ہیں۔

مجھے بھی اپنے حساب و شمار میں رکھا ... میں جتنا فخر کروں کم ہے میرے آقا نے

اُن کے در سے صاحبِ دستار ہوتا ہوئے ... ہم سیہ رو منہ دکھانے کے نہ قابل تھے مگر

پلک جھپکتے ہی ہم قدمِ آسمان ہوئے ... یہ معجزہ درِ اقدس پہ اپنے ساتھ ہوا!

جذباتی یا غیر جذباتی مبالغہ آرائی، بے لگام خیال آفرینی، مقامِ رسالت و نبوت سے بے خبری، سیرتِ پاک سے بے نیازی، یہاں تک کہ شعوری اور غیر شعوری ذہنی تحفظات کثرتِ مشقِ سخن اور قادر الکلامی کے باوجود نعتیہ اشعار ــــ وہ اثر اور رنگ نہیں پیدا کر سکتے جو قبولیت کا درجہ حاصل کر لیں۔ نعت میں تاثیر اور قبولیت والی بات اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جو نعت کہنے والا ایمان کا وہ ذائقہ چکھ لیتا ہے۔ جو خدا کو اپنا رب ــــــــــ اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو آخری رسول اور نبی زبانی اقرار سے ہی نہیں بلکہ صدقِ دل سے بھی مان لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ اِسی طرح حبِّ رسول کا دعویٰ کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ رسولؐ اللہ کی ذاتِ مبارک اپنے باپ، اپنی اولاد اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔ بخاری اور مسلم میں یہ دو خصوصیات اصل مومن

کے لئے بیان کی گئی ہیں اور ایک نعت گو پر بھی بعینہٖ یہ صادق آتی ہیں۔ قرآنِ حکیم کے مطابق "نبی زیادہ حق رکھتا ہے مومنوں پر اُن کی جانوں سے (الاحزاب ۶) اس مضمون کو اخترؔ لکھنوی نے یوں ادا کیا ہے۔

شانِ محبوبی یہ کہتی ہے کہ اُن کے نام پر

جاں نچھاور کیجیئے، دل کی سلامی دیجئے

ارشادِ ربانی ہے۔ "اللہ تعالیٰ اور اُس کے ملائکہ نبیؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں لہٰذا اے مومنو تم بھی اُنؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔" (الاحزاب: ۵۶) رسول اللہ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا اسی حکمِ الٰہی کی تعمیل ہے اور اس تعمیل سے ایمان کا ایک تقاضہ پورا ہوتا ہے۔ نعت گوئی صلوٰۃ و سلام ہی کی ایک شکل ہے۔ ذکرِ رسولؐ سے ایمان کو تازگی ملتی ہے اور ثواب علیحدہ۔ ذکرِ خیرالانامؐ کا سلیقہ ہو تو وہ قرآن اور سنت کے اتباع اور اطاعت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ یہی رسولؐ کی سیرت بھی ہے۔ اردو زبان میں قابلِ ذکر نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات نمایاں ہیں۔ حقیقت میں قرآن اور حدیث کے اثرات کے بغیر نعتیہ شاعری سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ روح نہ ہو تو جسم ایک بے جان لاش سے زیادہ نہیں جیسے ایک دُنیوی درباری قصیدہ۔ ایک اہلِ ایمان کی تو سعادت ہی اس میں ہے کہ اُسے خاتم النبیینؐ کی سیرت کی پیروی کی توفیق نصیب ہو جائے۔ اب قیامت تک کے لئے مثالی زندگی کی معراج یہی ہے۔ اخترؔ لکھنوی کہتے ہیں۔

آپؐ کی راہِ عمل پر چلتے چلتے موت آئے
زندگانی مجھ کو بھی آقا دوامی دیجئے

اتباعِ سرورِ عالمؐ ہے جن کی زندگی
وہ ستاروں کے، مہ و خورشید کے ہمسفر ہیں

چلا ہے جو حبیبِ کبریاؐ کی راہ پر اخترؔ
مکمل ہے وہ اپنے شوق میں اپنی وفاؤں میں

جذبۂ محبت کی صداقت کا پیمانہ بھی یہی ہے کہ اقرار باللسان کے ساتھ ہی تصدیق بالقلب بھی ہو۔ یہ پیمانہ کارِ خیر کا محرک ہوتا ہے اور ایک برقیاتی عمل کے ذریعہ سے

انسان کو اس کے مقامِ معراج تک پہنچنے میں اس کی بے حد مدد کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآنی دعا۔ "ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وّفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" (البقرۃ: ۲۰۱) کی تعبیر کو اُس کی نظروں کے سامنے لے آتا ہے۔ رسول کی محبت، اطاعت اور نیازمندی کی متقاضی ہوتی ہے۔ تقلید اور حسبِ ضرورت اجتہاد اس کے دو مضبوط ستون ہیں۔ ایمان بالغیب اس کی بنیاد ہے جس کی پہلی شرط توحید خالص پر یقینِ کامل ہے جس کے بغیر قلبی لگاؤ کا دعویٰ تشنۂ ثبوت رہتا ہے۔ الحمدللہ اخترؔ لکھنوی حبِ رسول اور متعلقہ متقضیات سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی آگہی نے انہیں اس کیفیت سے بہت قریب کر دیا ہے جو رسولِ پاک سے انتہائی عقیدت و احترام کے نتیجہ میں پیدا ہو کر دل و دماغ پر مستولی ہو جاتی ہے۔ یہ آگہی، خبر یا علم نبی کی میراث ہے۔ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ آشنا کر دے جسے ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن باطنی بصیرت نہ صرف محسوس کرے بلکہ علم الیقین کا درجہ بھی عطا کر دے۔ چنانچہ اس آگہی نے اخترؔ لکھنوی کی نعتوں کو روحانی کیفیات اور بھرپور دلی تاثرات سے معمور کر دیا ہے۔ ان نعتوں میں تازگی، برجستگی، بے ساختگی، وجدان، ادبیت کی چاشنی، فنی رکھ رکھاؤ اپنے اہم شاعرانہ لوازم اور عصری لہجہ کے ساتھ موجود ہیں۔ اس نعتیہ شاعری میں محاکات، تلمیحات، وارداتِ قلبی کی عکاسی، فکر انگیزی اور سرشاری کے اظہار کا جو انداز ہے اُس نے اردو کی اس محترم صنفِ سخن کو مزید مالا مال کر دیا ہے۔ یہاں اس بات کی نشاندہی عین مناسب ہو گی کہ اخترؔ لکھنوی نے نعت گوئی میں عالمِ جذب کی وہ راہِ سلوک اختیار کی ہے جس میں کیف و سرور تو ہے لیکن مجذوبیت نہیں۔ بے خودی ہے لیکن حدودِ ہوشیاری میں لہٰذا اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ اخترؔ لکھنوی نعتیہ شاعری کے حسرت موہانی ہیں۔

اخترؔ لکھنوی کے یہاں نعت گوئی رسمی اظہار نہیں ہے بلکہ اپنے دروں کی آواز

اور دیارِ حرم کے سفر کے تجربات اور مشاہدات کا بیان ہے اور اُن صداؤں کی گونج بھی ہے جو حرم کی فضا میں ورد کرتی ہوئی سنا دیتی ہیں۔

کیا ہے عرش سے اختر کلام ہم نے بھی
درِ نبیؐ پہ پڑھا ہے سلام ہم نے بھی

جہاں سے جاتا ہے ہر راستہ خدا کی طرف
خوشا کہ دیکھ لیا وہ مقام ہم نے بھی

قریب پائے مبارک نمازیں پڑھ پڑھ کے
کیا ہے دل کو بہت شادکام ہم نے بھی

ترے وجود میں جس نام سے اُجالا ہے
زمانے! لکھ لیا دل پر وہ نام ہم نے بھی

یہ کاروبار وہاں عام دیکھنے کے بعد
بدل دی صبح کے جلووں سے شام ہم نے بھی

دیارِ نور تھا، سجدے تھے لازمی اختر
جبیں سے کام لیا گام گام ہم نے بھی

یہ نعتیہ مجموعہ ایک مقدس ذوق و شوق کا شعری سفرنامہ ہے۔ اس سفر نے آتشِ شوق کو مزید تیز کر دیا ہے اور دیارِ رسولؐ کی کشش پھر بلائے جانے کے لئے شاعر کو بے قرار رکھے ہوئے ہے۔

مرے حضورؐ نے چاہا تو پھر وہ آئیں گے دن
درِ وجود مدینے میں کو بہ کو ہوگا!!

پھر مدینہ دیکھیں گے پھر مدینے جائیں گے
پہلے بھی بلایا تھا پھر بلائے جائیں گے

اس مختصر مجموعے میں اس پاک سفر کے تمام رنگ موجود ہیں۔ لطافتِ فکر، نزاکتِ خیال اور اسلوبِ بیان کی چند مثالیں:

وہ غارِ ثور، وہ غارِ حرا، وہ کوہِ اُحد
کہیں ارادے، کہیں حوصلے ملے ہم کو

ایسا لگا دل سینے سے آجائے گا باہر
جب دیدۂ تر کو درِ آقاؐ نظر آیا

پڑھا درود بہت اور اس طرح خود کو
جوارِ رحمت پہ دربکار میں رکھا

کہا جو میں نے عطا ہو مجھے بھی خوش لقبی
مرے خیال نے دیکھا کہ مسکرائے حضورؐ

نام اُن کا لیا تو طوفاں نے
خیریت پوچھی ہے سفینے کی!

سو رنگ ہیں اب پاس مرے دیدہ دری کے
جلوے مری آنکھوں میں ہیں طیبہ نگری کے

جس کو درکار تھا صدیوں کا سفر
ہم نے وہ لے لیا لمحوں سے!!

کیا بتائیں کہ زباں ساتھ نہیں دیتی ہے اِک انوکھی سی عجب سی تھی سفر کی خوشبو

اختؔر لکھنوی کے یہاں سفر ایک اہم علامت ہے جو ان کی پوری طبعی اور فکری زندگی پر محیط ہے۔ اُن کا پہلا بڑا فکری سفر دوسری ہجرت کا تھا جو غزلوں کے مجموعے "دیدۂ تر" پر ختم ہوا۔ اب یہ دوسرا اہم سفر ہے جو نعتوں کے مجموعے کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

رہے گا چہرے پہ تاعمر صورتِ غازہ ہمارے پاس بہت ہے سفر کا سرمایہ

پہلے سفر سے کرب ملا دوسرے سے طمانیتِ قلب اور اطمینانِ روح۔

مرے حضورؐ نے کیا کچھ نہیں دیا مجھ کو سکون جان کو، دل کو قرار میں رکھا

اِس دوسرے سفر کے تمام منظروں کو اخترؔ نے اپنے ان نعتیہ اشعار میں محفوظ کرلیا ہے اور اِس خوبی کے ساتھ جو اپنی قبولیت کا اعلان خود کر رہی ہے۔

آپؐ چاہیں گے تو محفوظ بھی رہ جائیگی رُوح میں اتری ہوئی آپ کے در کی خوشبو

اردو ادب میں نعتیہ شاعری اب ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت اختیار کرگئی ہے۔ مجموعی طور پر محمد قلی قطب شاہ اور ولی دکنی / گجراتی سے لے کر غالبؔ، مومن، حالی، نظیر اکبر آبادی، داغ دہلوی، محسن کاکوروی، امیر مینائی، مُنیر شکوہ آبادی، امجد حیدر آبادی، بیدم وارثیؒ، مولانا ظفر علی خان، سیماب اکبر آبادی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، حفیظ تائب، حنیف اسعدی، اقبال عظیم اور عصرِ حاضر کے دیگر شعرا تک ایک بہت طویل فہرست ہے۔ جذباتی کیفیت کے حوالے سے زائرِ حرم حمید صدیقی اور بہزاد لکھنوی نے اپنے وقت میں خاصی شہرت پائی۔ اس معتبر، محترم، مبارک اور مسعود قافلے میں اختر لکھنوی بھی اپنی تمام تر عقیدتوں کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔

انہی میں ہم بھی ہیں جو لوگ میہمان ہوئے
خوشا نصیب کہ سرکار میزبان ہوئے

اُن کے در کے فیض سے سرشار ہونا تھا ہوئے

عمر بھر کے خواب سے بیدار ہونا تھا ہوئے

اِن نعتوں کا نیا پن صاف محسوس ہوتا ہے دلکش ہیں۔ پڑھیے جھومیئے اور اُس کیفیت میں پہنچ جائیے۔ جہاں سے یہ اشعار نازل ہوئے ہیں۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب دھیما لہجہ، خوش کلامی اور تاثیر اِن کا خاصہ ہے۔ یہ نعتیں پیش کر کے اخترؔ لکھنوی نے بارگاہِ رسالتِ مآب سے اپنی شفاعت کا پروانہ حاصل کر لیا ہے۔ اِن نعتوں کو سُننے والے، پڑھنے والے اور محسوس کرنے والے بھی اِنشاء اللہ فیضیاب اور برکت اندوز ہوں گے۔

عرضِ حال

۱۹۷۴ سے ۱۹۷۷ تک میں ریڈیو پاکستان کے راولپنڈی اسٹیشن میں تھا۔ غالباً اگست ۷۷ء میں اسلام آباد ٹیلی ویژن کی طرف سے میری تلاش ہوئی ایک پروڈیوسر صاحب میری قیام گاہ پر آئے، کہا، آپکی دو نعتیں کل ریکارڈ کرنی ہیں، پھر تاخیر سے اطلاع دینے پر معذرت چاہی۔ میں نے وعدہ کرلیا، ان کے جانے کے بعد میرے دل نے کہا، تازہ نعتیں پڑھو۔ میرے پاس تازہ نعتیں نہیں تھیں، دن گذر گیا، رات آئی، میں نے مصلہ بچھایا۔ دو رکعت نماز نفل پڑھی اور سرکار سے کہا آپ کی نعتیں ہیں آپ ہی دیں گے۔ سرکار نے دعا قبول فرمائی، نماز کے بعد اشعار کا نزول شروع ہوا اور آدھے گھنٹے میں دو نعتیں مکمل ہوگئیں۔ ان میں پہلی نعت کا مطلع تھا۔

اپنی اطاعت اپنی محبت مجھے بھی دو

در پر پڑھوں سلام اجازت مجھے بھی دو

یہی نعت میں نے دبستانِ لوح و قلم کے پہلے پاک و ہند مشاعروں کی دوسری کڑی یعنی نعتیہ مشاعرے میں پڑھی جو غالباً ۲۲ مارچ ۸۶ کو کسٹم کلب میں ہوا تھا۔ مشاعرہ ختم ہوا، اسٹیج پر ایک صاحب میرے

آئے، نعت کی تعریف کی اور کہا، ابکے جب میں عمرے پر جاؤں گا تو انشاءاللہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے۔

یہ اظہر عباس ہاشمی تھے جنہوں نے شعراء کے اجتماعی عمرے کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

اجتماعی عمرے کی ابتداء ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی، اس طرح کہ ایک محفلِ نعت میں جناب محشر بدایونی نے نعت پڑھی اسکے مطلع کا دوسرا مصرع تھا۔

سوال یہ ہے کہ میں کب مدینے جاؤنگا

اس سوال میں حسرت ہی حسرت، خلوص ہی خلوص تھا۔ اظہر عباس ہاشمی بھی محفل میں تھے، پلک جھپکتے سرکارِ دو عالمؐ نے ہاشمی صاحب کے ذریعہ جواب سے نواز دیا۔

۵ر مارچ ۱۹۸۴ء کو جناب محشر بدایونی، جناب تابش دہلوی، جناب راغب مرادآبادی، جناب سرشار صدیقی، جناب اقبال صفی پوری، جناب طفیل ہوشیارپوری اور جناب کلیم عثمانی پر مشتمل پہلا قافلہ لے کر اظہر عباس ہاشمی صاحب اُس ارضِ مقدس گئے جہاں پہونچنا اہلِ ایمان کی معراج ہے۔ ۱۹۸۶ء میں یہ قافلہ جناب محسن بھوپالی، جناب منظر ایوبی، جناب عاشق کیرانوی اور دوسرے شعراء سے عبارت تھا۔ میرِ قافلہ ہاشمی صاحب ہی تھے۔ اسی طرح جب تیسرے قافلہ کی تیاری کا وقت ہوا تو ایک فون میرے نام آیا، یہ ۱۵ر مارچ کی تاریخ تھی، فون پر جناب اظہر عباس ہاشمی تھے۔ مجھ سے کہا عمرے کی تیاری کیجئے۔ اور ویزا کے لئے پاسپورٹ دیجئے۔ اس اطلاع میں ایسی سرشاری تھی کہ خود کو سنبھالتے لئے میں پہروں لگے، پاؤں کہیں رکھتا تھا، پڑتے کہیں تھے۔ تیسرے قافلے

میں جناب تابشؔ دہلوی، جناب سرشارؔ صدیقی، جناب شبنمؔ رومانی، جناب عطاء الحق قاسمی اور یہ راقم الحروف تھا، اس قافلے کے سردار بھی ہاشمی صاحب تھے۔ شعراء کے علاوہ اس قافلے میں یونائیٹڈ بینک کے جناب جلیس احمد خاں راجپوت، جناب انس اللہ جعفری جناب محمد اکرام الحق، جناب آفتاب احمد خاں، جناب محمد اکرم کھٹی اور جناب جلیس احمد خاں کی بہن ریحانہ صاحبہ بھی شامل تھیں۔ یہ تیسرا قافلہ ۹ اپریل کو روانہ ہوا دن جمعرات کا تھا، جدہ میں ٹھہرے بغیر رات ۲ بجے مکۂ مکرمہ پہونچا۔ باب عبد العزیز سے مسجد بیت الحرام میں داخلہ ہوا، میرا ہاتھ ہاشمی صاحب کے ہاتھ میں تھا، مسجد بیت الحرام میں داخل ہوتے ہی میں نے آنکھیں بند کرلی تھیں، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جب طواف کرنے والوں کی مناجاتیں قریب آنے لگیں تو میں نے ______ آنکھیں کھولیں، چند گز کے فاصلے پر خانہ کعبہ تھا۔ کچھ دیر تک سکتے کی کیفیت رہی، یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ بیت اللہ سامنے ہے اور جب یقین آیا تو آنکھیں آب جو تھیں۔ تیسرے دن بعد نماز عشاء لبوں پر درود و سلام کے توشے لئے قافلہ مدینۂ منورہ کی سمت چلا جو فجر کی نماز سے کچھ ساعتوں پہلے مدینۂ منورہ میں داخل ہوا۔ جب وہ موڑ آیا جہاں سے درِ اقدس ﷺ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو دل کی دھڑکنیں تیز اور ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے دیگن سے آبدیدہ اُترا، درِ اقدس کی طرف دوڑا، جیسے تیسے سلام پیش کیا اور نماز فجر کی سنتیں پڑھنے لگا کہ فرض نماز ہونے والی تھی۔ نماز کے بعد اشکوں کے وضو میں درِ اقدس ﷺ پر حاضری دی، زبان پر صلوٰۃ و سلام، احسان مندی اور شکر کے کلمات تھے۔ دماغ آسمان پر تھا، زندگی معتبر تھی اور ہستی حضوری کے سرمائے سے مالا مال تھی۔ آٹھ روز اسی عالم میں گذرے،

چالیسویں نماز عشاء کی تھی، اس کی ادائیگی کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ کی طرف روانگی تھی۔ نماز کے بعد رخصتی سلام کرنے در اقدس پر حاضر ہوا تو بے ساختہ ایک مصرعہ ودماغ میں آیا۔ بلا شبہ یہ مصرعہ سرکارؐ کی عطا تھی، مصرعہ تھا۔

در نبیؐ پہ پڑھا ہے سلام ہم نے بھی

اس عطا نے میرا تذ... سوا کر دیا، اس یقین کے ساتھ نادان دفرحاں ہوا کہ سرکارؐ چاہیں گے تو اس پر نعت بھی ہو جائے گی۔ وطن واپس آنے کے ڈیڑھ ماہ بعد محترم گل بھائی کے یہاں ہر جمعرات کو ہونے والے ایک فاتحہ میں شریک ہوا، وہاں سے واپسی رات گئے ہوئی، اس طرح کہ گھر پہونچتے پہونچتے سرکارؐ کے عطا کئے ہوئے مصرع پر نعت مکمل تھی۔ پہلے سرکار کے دیئے ہوئے مصرع پر مصرع آیا اور مطلع بنا۔

کیا ہے عرش سے اختر کلام ہم نے بھی
در نبیؐ پہ پڑھا ہے سلام ہم نے بھی

اس نعت کے بعد نعتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو، اب اس مجموعے کی شکل میں ہے۔

گذشتہ سال اللہ نے مجھے عمرے کی سعادت سے جب نوازنا تھا تو اس سے تقریباً ۲ دو ماہ پہلے مرشدی و مولائی محترم علی سلیم گل محمد وارثی عمرے کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہ جب واپس آئے تو انکی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا، میں نے ان سے پوچھا، گل بھائی آپنے میرے لئے دعا فرمائی تھی؟ گل بھائی نے برجستہ جواب دیا "آپ ہر وقت میرے ساتھ تھے"، اس جواب میں بڑا رمز تھا، دل نے گواہی دی! یہ بشارت ہے، بلاوہ آنے ہی والا ہے۔ سو کچھ ہفتوں بعد ایسا ہی ہوا۔

چلے جو سوئے مدینہ قلم نشاں کچھ لوگ
جناب ہاشمی کشتی کے بادبان ہوئے

اظہر عباس ہاشمی صاحب جب بھی سامنے ہوتے یا جب کبھی یاد آتے ہیں تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ دل دعائیں دیتا ہے، یہی وہ شخص ہے۔ جس نے عمر بھر کے خواب کی تعبیر سے آشنا کیا، یہی وہ شخصیت ہے جس کے ذریعے سرکارؐ نے زندگی سے ہمکنار کیا، یہی وہ فرد ہے جس نے ہم جیسے تہی دستوں کے ہاتھوں میں چاند اور سورج رکھ دیئے۔ ایسے شخص کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ تو کیا اپنی کھال سے اسکی پاپوش بھی بنائی جائے تو بھی ممکن نہیں۔

چوتھے اجتماعی عمرے کے سالار قافلہ جناب جلیس احمد خاں راجپوت تھے، اظہر عباس ہاشمی صاحب اور جلیس احمد خاں صاحب، یونائیٹڈ بنک میں ایک ہی شعبے کے اعلیٰ افسر ہیں، جب ان دونوں حضرات نے چھٹیوں کی درخواستیں دیں تو افسران بالا نے ایک درخواست کی منظوری کا فیصلہ کیا، ہاشمی صاحب، جلیس صاحب کے حق میں دستبردار ہو گئے اور انکو ہر طرح کی ہدایات اور مشورے دیکر قافلے کا سالار بنا دیا۔ اس قافلے میں جناب سرشار صدیقی جناب قمر وارثی، جناب احسن عباس ہاشمی، جناب ابوبکر محمد، جناب سہیل یاسین، جناب محمد داؤد احمد اور انکی بیگم رشیدہ خاتون کے ساتھ راقم الحروف اور اسکی بہن خدیجہ بانو تھی۔ مجھے عمرے کی یہ سعادت دوسری بار اور سالِ مسلسل میں حاصل ہوئی۔ اس بار اس مقدس سفر کے لئے جناب ایس، ایچ ہاشمی (مینجنگ ڈائریکٹر اورینٹ ایڈورٹائزر) نے میرا زادِ راہ فراہم کیا۔ گذشتہ سال جب اہلِ قلم اجتماعی عمرے کے لئے کراچی سے چلے تھے تو اسی جہاز سے جناب ایس ایچ، ہاشمی بھی

عمرے کی ادائیگی کے لئے سرزمینِ حجاز گئے تھے۔ آپ نے میرے شعری مجموعے "دیدۂ تر" کی تقریبِ اجراء میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اور نہ جانے کیسے میرے دل کا حال جان لیا تھا کہ اسے اپنا اعلان بنا دیا، آپ نے یہ کہہ کر میرا دامن خوشبوؤں سے بھر دیا کہ "اب کے اختر میری طرف سے عمرے پر جائینگے"۔ سو اللہ کے فضل سے چوتھے قافلے کے ساتھ میں دوبارہ عمرے پر گیا۔ پھر میری آنکھوں نے اُن مقامات کو دیکھا جن کو دیکھنے اور بار بار دیکھتے رہنے کی آرزو ہی اب زندگی کا نام ہے۔ مجھے یقین ہے اگر حضورؐ نے چاہا تو انشاء اللہ اگلے سال کوئی اور ذریعہ پیدا ہو جائیگا۔

پھر مدینہ دیکھینگے، پھر مدینے جائینگے
پہلے بھی بلایا تھا، پھر بلائے جائینگے

میں اس سال کے آغاز میں لکھنؤ گیا تھا، وہاں ادبی حلقوں نے ان نعتوں کو پسند کی نظروں سے دیکھا۔ والی آسی صاحب پر تو اس حد تک اثر ہوا کہ انہوں نے یہ نعتیں ہفتے عشرے میں "آقا" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دیں۔ اسطرح یہ مجموعہ "آقا" کے عنوان سے ہندوستان میں اور "حضورؐ" کے نام سے اب پاکستان میں طبع ہو رہا ہے۔

آخر میں اظہر عباس ہاشمی، ایس، ایچ، ہاشمی، والی آسی اور شفیق الدین شارق صاحبان کے ساتھ جناب قمر وارثی اور اس مجموعے کے خوشنویس حبیب عالم کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ ان دونوں حضرات نے بھی مجموعے کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سبھوں کو اس کا اجر سرکارِ دو عالمؐ ضرور عطا فرمائینگے۔ آمین:

اختر لکھنوی

ریڈیو پاکستان کراچی

۵۔ ای/۱۷۴، اورنگی کراچی ۴۱

دل کو شعور، ذہن کو گیرائی مل گئی
پہونچے دیارِ نور تو بینائی مل گئی

اک دن درِ حضورؐ پہ اشکوں کی گونج میں
ہم نے پڑھا سلام تو گویائی مل گئی

ذکرِ رسولؐ پاک کا اعجاز دیکھئے
اک نعت کیا کہی سخن آرائی مل گئی

ہم نے سجائی بزمِ درود و سلام کی
جب بھی بساطِ وقت پہ تنہائی مل گئی

آئے ہیں اس دیار سے اختر ہم اس طرح
جیسے نوائے شوق میں شہنائی مل گئی

آبلے ہوں پاؤں میں، آب آب دیدہ ہو
کپکپاتے ہونٹوں پر نالۂ کشیدہ ہو

حرف اک تصوّر ہو، ہر خیال کا حاصل
دل میں آگ روشن ہو اور نظر خمیدہ ہو

عقل و ہوش پر غالب بیخودی کا ہو عالم
جسم گرد آلودہ، پیرہن دریدہ ہو

ماورائے دنیا ہو دھڑکنوں کا ہر آہنگ
زندگی کا ہر رشتہ از رشتۂ بریدہ ہو

بس سنہری جالی ہو، تھرتھراتے ہاتھوں میں
اور میرے ہونٹوں پر آپؐ کا قصیدہ ہو

کیا ہے عرش سے اختر کلام ہم نے بھی
درِ نبیؐ پہ پڑھا ہے سلام ہم نے بھی

جہاں سے جاتا ہے ہر راستہ خدا کی طرف
خوشا کہ دیکھ لیا وہ مقام ہم نے بھی

قریبِ پائے مبارک بہت کئے سجدے
کیا ہے دل کو بہت شادکام ہم نے بھی

ترے وجود میں جس نام سے اجالا ہے
زمانے! لکھ لیا دل پہ وہ نام ہم نے کبھی

یہ کاروبار وہاں عام دیکھنے کے بعد
بدل دی صبح کے جلووں سے شام ہم نے کبھی

دیارِ نور تھا، سجدے تھے لازمی اختر
جبیں سے کام لیا گام گام ہم نے کبھی

حضورؐ نے شجرِ سایہ دار میں رکھا
مجھے بلایا اور اپنے دیار میں رکھا

پہونچ کے شہرِ مدینہ یہ کام پہلے کیا
خزاں کے درد کو صحنِ بہار میں رکھا

وہی وکیل ہوا بارگاہِ عالی میں
وہ اک یقیں جو دلِ بیقرار میں رکھا

میں جتنا فخر کروں کم ہے، میرے آقا نے
مجھے بھی اپنے حساب و شمار میں رکھا

مرے حضورؐ نے کیا کچھ نہیں دیا مجھ کو
سکونِ جاں میں، دل کو قرار میں رکھا

پڑھا درود بہت، اور اس طرح خود کو
جوارِ رحمتِ پروردگار میں رکھا

کرم تو دیکھئے احساں تو دیکھئے اُن کا
مجھے خزاں سے نکالا بہار میں رکھا

اُنکے در کے فیض سے سرشار ہونا تھا، ہوئے
عمر بھر کے خواب سے بیدار ہونا تھا، ہوئے

اُنکی گلیاں اور کوچے دیکھنے کی تھی طلب
شہرِ انور میں سرِ بازار ہونا تھا، ہوئے

اللہ اللہ یہ کرم اُن کا کہ اُنکے گھر گئے!
اور زیرِ سایۂ دیوار ــــ ہونا تھا، ہوئے

ہم سیہ رو منھ دکھانے کے نہ قابل تھے، مگر
اُنکے در سے صاحب دستار ہونا تھا، ہوئے

مرضئ سرکار تھی، کیسے نہ ہوتا ایک دن
ہاشمی صاحب[ص۱] کو سہرا یار ہوتا تھا، ہوئے

ص۱ جناب اظہر عباس ہاشمی

حرم کہاں وہ حرم والے کا دیار کہاں
چلے کہاں سے تھے پہونچے گناہگار کہاں

اچانک آیا تھا جب سامنے دیارِ رسولؐ
دل و نظر پہ تھا اُس وقت اختیار کہاں

نظر کے سامنے وہ جالیاں جب آتی تھیں
کسی کی سنتی تھی پھر چشمِ اشکبار کہاں

حضورؐ آپنے مجھکو بہت نوازا ہے
حضورؐ آپکے الطاف کا شمار کہاں

حیراں تھے ہم بھی، زیست بھی حدِّ مدینہ پر
تا دیر ہم اسے، وہ ہمیں دیکھتی رہی

اک روشنی تھی آٹھ پہر لے مثال سی
اک شمع بھی ہتھیلی پہ لیکن جلی رہی

انہی میں ہم بھی ہیں جو لوگ میہمان ہوئے
خوشا نصیب کہ سرکار میزبان ہوئے

یہ معجزہ درِ اقدس پہ اپنے ساتھ ہوا
پلک جھپکتے ہی ہم قدمیں آسمان ہوئے

قدم قدم پہ جو لہرا رہے تھے طیبہ میں
ہمارے حال کے وہ رنگ ترجمان ہوئے

نہ کوئی نام، نہ وقعت، نہ آبرو تھی کوئی؛
بہ فیضِ شہرِ نبیؐ ہم بھی عالی شان ہوئے

سفر مدینے کا کیا پوچھئے رہا کیسا؛
ہر ایک گام پہ کانٹے بھی مہربان ہوئے

چلے جو سوئے مدینہ قلم نشان کچھ لوگ
جنابِ ہاشمی کشتی کے بادبان ہوئے

ص جناب اظہر عباس ہاشمی

لٹا کے بیٹھا ہی تھا چشم تر کا سرمایہ
مجھے عطا ہوا قلب و نظر کا سرمایہ

مری جبیں کی اب آسودگی کا کیا کہنا
اسے نصیب ہے اب سنگِ در کا سرمایہ

رہیگا چہرے پہ تا عمر صورتِ غازہ
ہمارے پاس بہت ہے سفر کا سرمایہ

نظر کے دست میں ہے اور بےحساب بھی ہے
سوادِ شام کا، وقتِ سحر کا سرمایہ

دماغ و دل میں در آئی ہوئی بےخبری
مجھے ملا جو اچانک خبر کا سرمایہ

خدا سے مانگو وسیلے سے اُنکے پھر دیکھو
دعا کو مل کے رہیگا اثر کا سرمایہ

درِ مصطفےٰ پہ جس دم ، دمِ بیخودی میں پہونچے
تو لگا کہ جیسے ہم بھی حدِ زندگی میں پہونچے

وہی حال تھا ہمارا ، وہی رنگ تھا ہمارا
کہ اندھیروں سے اچانک کوئی روشنی میں پہونچے

وہ مدینے والی گلیاں، کھلیں جن میں دل کی کلیاں
کبھی اِس گلی سے نکلے، کبھی اُس گلی میں پہونچے

قطعہ

بے رمق چہرہ نہیں ہے، چاک پیراہن نہیں
اب نہیں بے خواب آنکھیں آگ جیسا تن نہیں

جب سے آئے ہیں مدینے کی فضائیں دیکھ کر،
واقعہ یہ ہے کہ اپنا اب تہی دامن نہیں

سحر کے، شام کے منظر گلاب صورت ہیں
وہاں کے خار بھی اختر گلاب صورت ہیں

بہار رنگ ہیں چہرے مسافروں کے بھی
یہی نہیں ہے کہ رہبر گلاب صورت ہیں

وہاں برستے ہیں سو رنگ آسمانوں سے
وہاں یہ حال ہے گھر گھر گلاب صورت ہیں

دکھائی دیتے ہیں دوری سے جو سیاہ بہت
قریب سے وہی پتھر گلاب صورت ہیں

ضرور دیکھ چکے ہیں درِ نبیؐ کی بہار
وہ لوگ، جنکے مقدر گلاب صورت ہیں

حیات کے لئے عنوان نئے ملے ہم کو
نئے حوالے، نئے سلسلے ملے ہم کو

سجے ہوئے تھے لبوں پر درود کے توشے
سلام پڑھتے ہوئے قافلے ملے ہم کو

قدم قدم پہ مدینے کی ستا ہراہوں میں
فلک کے چاند ستارے پڑے ملے ہم کو

درِ نبیؐ پہ پہونچ کر جو آئینہ دیکھا
جبیں پہ چاند ستارے جڑے ملے ہم کو

وہ غارِ ثور، وہ غارِ حرا، وہ کوہِ احد
کہیں ارادے، کہیں حوصلے ملے ہم کو

جو رہگذار تھی وہ کہکشاں کی صورت تھی
گلاب جیسے سبھی راستے ملے ہم کو

اپنی ضد کا ثبوت اس طرح ہوا دیتی تھی
میری پلکوں پہ چراغوں کو جلا دیتی تھی

سبز گنبد کی فضا پاس سے جب دیکھتا تھا
وہ مجھے سورۂ رحمٰن سنا دیتی تھی

آسماں پر بھی رہا اُن گلی کوچوں میں دماغ
کیا بیاں کیجئے کیا لغزشِ پا دیتی تھی

جو بھی جاتی تھی گلی رحمتِ عالم کی طرف
تیرہ راتوں میں بھی آنکھوں کو ضیا دیتی تھی

ناز کر ناز کہ آقاؐ نے بلایا اختر
ہر نئی موج مرے دل میں صدا دیتی تھی

یوں مدینے میں لوگ چلتے تھے
دوڑتے تھے، کبھی سنبھلتے تھے

جب چلا قافلہ سوئے طیبہ
آگے آگے چراغ جلتے تھے

جیسے پہلے نہ تھے کبھی وہ سنگ
سنگ شیشے میں ایسے ڈھلتے تھے

ایک سیلاب نور آتا تھا
جب ستارے فلک پہ ڈھلتے تھے

زندگانی تجھے برتنے سے
روز پہلو نئے نکلتے تھے

سو رنگ ہیں اب پاس مرے دیدہ دری کے
جلوے مری آنکھوں میں ہیں طیبہ نگری کے

سرخم کبھی ہے، سرمست کبھی ہے زمزمہ خواں کبھی
انداز وہاں دیکھئے بادِ سحری کے

ممکن ہی نہ تھا شوق وہاں رہتا حدوں میں
ہر سمت تھے اسباب بہت جامہ دری کے

تابش بھی تھے، سرشار بھی، شبنم بھی، عطا بھی
ہر گام پہ منظر تھے عجب ہمسفری کے

کونین کے سردار ہیں جس جالی کے پیچھے
اُس جالی پہ سب رنگ ملے کم نظری کے

جناب تابش دہلوی　　جناب سرشار صدیقی
جناب شبنم رومانی　　جناب عطاء الحق قاسمی

جو بھی منظر تھا وہ تھا ہوش اڑانے والا
واپس آتا نہیں، دل سے، کوئی جانے والا

واقعہ یہ ہے کہ میرا ہی نہیں، خلقت کا
جو بھی آنسو تھا، وہ تھا نعت سنانے والا

صرف جاوے ہی نہ تھے پھول کھلانے والے
ذرہ ذرے کو تھا خورشید بنانے والا!

خندہ لب، چہرہ شفق، شاد نظر، چاند بکف
اسی عالم میں تھا ہر سامنے آنے والا

ایک ہم ہی نہ تھے ناز اپنے اٹھانے والے
وہاں ہر فرد تھا ناز اپنے اٹھانے والا

دل کی دھڑکن تیز، ہستی صورتِ تصویر تھی
عمر بھر کے خواب کی جب سامنے تعبیر تھی

یا حبیبؐ اللہ مجھ پر بھی عنایت کی نظر
چہرے چہرے پہ لکھی بس ایک ہی تحریر تھی

خاک دیکھی، سنگ دیکھے اور دیکھے برگ و گل
ذرے ذرے میں نہاں تنویر ہی تنویر تھی

حلقہ حلقہ جو نفس نے ڈالدی تھی پاؤں میں
ریزہ ریزہ اُنکے دروازے پہ وہ زنجیر تھی

دکھائی جا نہیں سکتی کسی کو وہ دولت
نصیب جو درِ محبوبِؐ کبریا سے ہوئی

سحر سے پہلے تہجد کے وقت اے اخترؔ
کسے بتلائیے جو گفتگو ہوا سے ہوئی

ایسی بھی ہے مرے آقاؐ کے نگر کی خوشبو
شام کی خوشبو میں پنہاں ہے سحر کی خوشبو

انکی جالی سے ابھرتی ہوئی خوشبو کے طفیل
رچ گئی میری دعا میں بھی اثر کی خوشبو

روزنِ چشم سے احساس کے دروازوں سے
دم بہ دم آتی رہی دیدۂ تر کی خوشبو

کیا بتائیں کہ زباں ساتھ نہیں دیتی ہے
اک انوکھی سی عجب سی تھی سفر کی خوشبو

آپ چاہینگے تو محفوظ بھی رہ جائیگی
روح میں اتری ہوئی آپکے در کی خوشبو

اب کیسے کہیں، کیا ہیں اور کیا نظر آیا
جب پہلے پہل گنبدِ خضرا نظر آیا

جھپکی نہ پلک تھی کہ ہوئی ذات کی تکمیل
تعبیر بکف خوابِ تمنا نظر آیا

ایسا لگا دل سینے سے آجائیگا باہر
جب دیدۂ تر کو درِ آقا نظر آیا

ہر وقت تھا اک نور کی بارش کا تسلسل
ہر گام پہ اللہ کا جلوا نظر آیا

آنکھوں میں اترتے ہوئے مہتاب کو دیکھا
سورج کی طرح بخت ہمارا نظر آیا

ہر اک منظر ہے دلآویز خوشبو ہے ہواؤں میں
بہاریں رقص کرتی ہیں مدینے کی فضاؤں میں

وفاؤں کا تقاضا ہے دیارِ رنگ و نکہت میں
چلو اتنا کہ چل کر آبلے پڑ جائیں پاؤں میں

عجب دہلیز ہے، دہلیز سرکارِ دو عالم کی
وہاں ملتے ہیں تخت و تاج والے بھی گداؤں میں

انہیں دیکھو تو آنکھیں یہ کہیں بس دیکھتے جاؤ
عجب ہے حسن اس در کے غلاموں کی اداؤں میں

چلا ہے جو حبیبؐ کبریا کی راہ پر اختر
مگن ہے وہ اپنے شوق میں اپنی وفاؤں میں

عام سی بات تھی قطرے کا گہر ہو جانا
ہم نے دیکھا وہاں ذرّے کا قمر ہو جانا

چند دن گنبدِ خضرا کو فقط دیکھا تھا
کتنا آسان ہوا اہلِ نظر ہو جانا

میرے مالک کی طرف سے مرا حصہ ٹھیرا
دل میں یادِ شہِ ابرار کا گھر ہو جانا

گھر سے نکلو تو ذرا، دیکھو گے تم بھی اخترؔ
دھوپ میں آپکی یادوں کا شجر ہو جانا

چاک دامن کے سِلے دیکھے تھے
پھول صحرا میں کھلے دیکھے تھے

دھرتی پہ یہ منظر بھی ہم نے دیکھا ہے
طواف کرتے ہوئے ہفت آسمان گذرے

ہم بھی آراستہ تھے زخموں سے
گفتگو خوب رہی پھولوں سے

جس کو درکار تھا صدیوں کا سفر
ہم نے وہ کام لیا لمحوں سے

بجلیاں ٹھہر گئیں آنکھوں میں
خوشبوئیں پھوٹ پڑیں سینوں سے

جن کو حاصل ہے نبیؐ کا دیدار
ہم گزرتے رہے اُن گلیوں سے

یہ ہنر بھی اُسی در سے سیکھا
کیسے ہوتا ہے وضو اشکوں سے

دوستو! ہو سبیل جینے کی
آؤ باتیں کریں مدینے کی

ہر عمارت وہیں ہوئی تعمیر
زندگی تیرے ہر قرینے کی

نام اُنؐ کا لیا تو طوفاں نے
خیریت پوچھی ہے سفینے کی

موت سے دور ہے غلام نبیؐ
دیکھئے عمر آبگینے کی

سنگِ در چومتے ہی اے اخترؔ
شکل میری ہوئی نگینے کی

میانِ روشنی تجھ سا سیاہ رو ہوگا
خدا کی شان مدینے میں اور تو ہوگا

ہمیں یقین تھا کہ جب انکے در پہ پہونچینگے
ہمارا دامنِ صد چاک بھی رفو ہوگا

یہ بات خواب میں بھی ہم نہ سوچ پائے تھے
ہمارے سامنے سیلاب رنگ و بو ہوگا

ہمارے چہرے پہ غازہ ہے خاکِ طیبہ کا
ہمارا جیسا بھلا کون خوبرو ہوگا

مرے حضورؐ نے چاہا تو پھر وہ آئیں گے دن
مرا وجود مدینے میں کو بہ کو ہوگا

جنہیں عزیز ہوئی ہر نفس رضائے حضورؐ
انہیں نصیب ہے ہر گام نقشِ پائے حضورؐ

الٰہی ! چرخ بھی دیکھے مجھے تعجب سے
عطا ہو میری جبیں کو بھی خاکِ پائے حضورؐ

شفق ملے ہوئے چہروں پہ جیسے پھوٹ پڑی
ہجومِ یاس میں جس دم بھی یاد آئے حضورؐ

جو سب کا خالق و رب ہے اسی خدا کے بعد
کوئی بتائے ذرا کون ہے سوائے حضورؐ

کہا جو میں نے عطا ہو مجھے بھی خوشی لقبی
مرے خیال نے دیکھا کہ مسکرائے حضورؐ

درِ نبیؐ پہ جو سب سر جھکائے بیٹھے تھے
اُنہی میں ہم بھی تھے، ہم منہ چھپائے بیٹھے تھے

ہر اک گناہ ہمیں اپنا آ رہا تھا یاد
ندامتوں کے ہم آنسو بہائے بیٹھے تھے

ہماری بدعملی نے ہمیں تباہ کیا
ہم اپنی زیست کا دامن جلائے بیٹھے تھے

کرم کے پھول طلب کر رہی تھی اک خلقت
اور ایک ہم تھے کہ ہم گل کھلائے بیٹھے تھے

ہماری دیدہ دلیری تو دیکھئے، پھر بھی
پئے نگاہِ کرم ہاتھ اٹھائے بیٹھے تھے

مگر وہ در تھا شفیع الوریٰ کا در اخترؔ
ہم ایک پل میں مقدر بنائے بیٹھے تھے

پھر مدینہ دیکھینگے، پھر مدینے جائینگے
پہلے بھی بلایا تھا، پھر بلائے جائینگے

دیکھ دیکھ خوش ہونگے اپنے شوق کی معراج
خاکِ کوئے بطحا سے پھر جبیں سجائینگے

صبح و شام دیکھینگے رقص میں بہاروں کو
اے غمِ زمانہ پھر تجھکو بھول جائینگے

جمع کرکے آنکھوں میں دل کے ہر خزانے کو
اُنکے نام نامی پر ہر قدم لٹائینگے

پہلے بھی مقدر کے ہم نے ناز اٹھائے تھے
اور اپنی قسمت کے ناز پھر اٹھائینگے

گر خدا نے چاہا تو سرورِ دو عالم کو
اشکوں کے ترنم سے نعت پھر سنائینگے

برستی رحمتِ پروردگار دیکھیں گے
خدا نے چاہا تو پھر وہ دیار دیکھیں گے

نظر کے سامنے پھر ہوگا گنبدِ خضرا
سکوں نگاہ کا، دل کا قرار دیکھیں گے

ملیں گے لمحے سبھی خوشبوؤں میں ڈوبے ہوئے
نہائے نور میں لیل و نہار دیکھیں گے

کھلی کھلی سی ملیگی ہر آرزو کی کلی
گلِ مراد پہ رنگِ بہار دیکھیں گے

اگر حضورؐ نے چاہا تو دیکھنا اخترؔ
ہم اُن کا بابِ کرم بار بار دیکھیں گے

اے حضورِ پاک! مجھکو نیک نامی دیجئے
اپنی چوکھٹ دیجئے، اپنی غلامی دیجئے

جن کی نسبت آپکی خوشنودیوں سے ہے حضورؐ
اُن سنہرے راستوں پر تیز گامی دیجئے

زنگ آلودہ ہے لہجہ، بے اثر ہر بات ہے
حرف کو تاثیر، لب کو خوش کلامی دیجئے

آپکی راہِ عمل پہ چلتے چلتے موت آئے
زندگانی مجھ کو بھی آقاؐ دائمی دیجئے

نہیں کچھ بھی اسکے سوا چاہیئے
حضورؐ آپکی بس رضا چاہیئے

چاند اترا نہ تھا جب آنکھوں میں

قطعہ

میں بھی اسیرِ غم ہوں، آفات میں گھرا ہوں
میدانِ ناامیدی کے درمیاں کھڑا ہوں

اے تاجدارِ بطحا، اے رحمتِ دو عالمؐ
مجھ پر بھی اک نظر ہو، میں بھی شکستہ پا ہوں

اپنی اطاعت اپنی محبت مجھے بھی دو
در پر پڑھوں سلام اجازت مجھے بھی دو

آنکھوں سے اپنی دیکھوں بہاروں کی سرزمیں
ایسا نصیب، ایسی سعادت مجھے بھی دو

میری جبیں پہ آپ کے کوچے کی خاک ہو
یہ مرتبہ، یہ شان، یہ شوکت مجھے بھی دو

طیبہ کی وادیوں کی گدائی عطا کرو
جس کو نہیں زوال وہ دولت مجھے بھی دو

طیبہ نگر ہو اور مرے پا برہنہ ہوں،
یہ فخر، یہ غرور، یہ عزت مجھے بھی دو

انا سجدوں کی پوری ہو جبیں کو بھی قرار آئے
نظر کے سامنے یارب کبھی تو وہ دیار آئے

رواں آنکھوں سے آنسو ہوں، درِ فخرِ دو عالمؐ ہو
وہ لمحہ بھی کبھی اے گردشِ لیل و نہار آئے

سنہری جالیوں کی جو بہاریں دیکھ آئے ہیں
ہم انکی انجمن سے جب بھی آئے اشکبار آئے

فلک پر انبیاء کی پیشوائی کے لئے پہونچے
زمیں پر آپ بنکر رحمت پروردگار آئے

کبھی بلوائیے اختر کو بھی آقا مدینے میں
کسی دن تو اسے بھی زندگی کا اعتبار آئے

اُنکے در سے جو غلامی کی سند تک پہونچے
عمر کے باب میں وہ لوگ ابد تک پہونچے

مدح خواں خود ہے خدا آپ کا سبحان اللہ
کون ایسا ہے کہ جو آپکے قد تک پہونچے

آپکی ذات نے بخشی ہے ہمیں بینائی
آپکی ذات سے ہم ربِّ احد تک پہونچے

خلق عالم میں یہ اعزاز ملا انساں کو،
آپ معراج کی شب آخری حد تک پہونچے

اُن چراغوں کو جلا جنکا اجالا اخترؔ
خانۂ دل سے چلے اور لحد تک پہونچے

کچھ صلہ بھی بندگی کا چاہیئے
اُنکے در پر ایک سجدا چاہیئے

ہم تو انکے ہیں زمانہ جن کا ہے
اور اب اس سے سوا کیا چاہیئے

جانے کن ذروں نے چومے ہوں قدم
اُس زمیں پر پا برہنہ چاہیئے

عمر بھر چلتے رہے ہیں دشت میں
ہم کو اب شہرِ مدینہ چاہیئے

ہم غلامانِ نبیؐ کے ہیں غلام
ہر نفس پر شکر اسکا چاہیئے

سمندر رحمتوں کا فخرِ موجودات میں دیکھا
فرازِ آدمیت مصطفےٰ کی ذات میں دیکھا

مدینے کی بہت سی خوبیوں میں یہ بھی شامل ہے
وہاں سورج کو دنیا نے چمکتے رات میں دیکھا

یقیناً ہے وہی ہستی حبیبِ قادرِ مطلق
خدا کو بات کرتے جس کی ہر اک بات میں دیکھا

تصورِ گنبدِ خضرا کا جب بھی کر لیا اخترؔ
اجالوں کو اترتے ہم نے اُن لمحات میں دیکھا

اتباعِ سرورِ عالم ہے جن کی زندگی ! !
وہ ستاروں کے، مہ و خورشید کے ہمسر بنے

ربّ العزت کرے عطا اعزاز، ایسا مرتبہ
کوئے طیبہ کے فقیروں کا فقیر اخترؔ بنے

خدایا انکے در کی حاضری لکھدے مقدر میں
وہ جن کے نام نامی سے اجالے ہیں مرے گھر میں

مزاجِ صبح کو اپنا لیا جب رات نے دیکھا
اندھیروں کا گذر ممکن نہیں شہرِ منور میں

بہ باطن کیا ہیں وہ، اس سے تو بس اللہ واقف ہے
بہ ظاہر تو زمیں پر آئے ہیں انساں کے پیکر میں

اُنہی کو بیچ کر اپنی شفاعت ہم خریدیں گے
گہر ہم نے چھپا رکھے ہیں جو پلکوں کی چادر میں

یہ ممکن ہی نہیں حاصل نہ لطفِ خاص ہو اُن کا
وہ جن کی یاد دل میں، جن کا سودا ہے مرے سر میں

گلی کوچہ مثالِ کہکشاں ہے
مدینے کی زمیں بھی آسماں ہے

یہ محبوبی کا عالم، اللہ اللہ!
جدھر دیکھو، ہجومِ عاشقاں ہے

ذرا سوچو کہ وہ کیا کچھ نہ ہوگا
خدا جس شخص کا خود مدح خواں ہے

اسی کے ذکر میں ہے راحتِ جاں
جو ہستی وجہِ تخلیقِ جہاں ہے

مدینے میں ہماری موت آئے
مدینے میں حیاتِ جاوداں ہے

ہمیں ہے فخر ہم امت ہیں اسکی
رسولوں کا جو میرِ کارواں ہے

دوائے دردِ دل آقا ادھر بھی
یہ اختر لکھنوی بھی نیم جاں ہے

ہر گام اس پہ سایۂ ربِ جلیل ہے
جس شخص کا وہ رحمتِ عالمؐ کفیل ہے

اس بوریہ نشیں سے ہے رشتہ ہمارا بھی
دو ہجرتوں کی گرد سند ہے دلیل ہے

آشوبِ وقت کا ہے علاج آپؐ ہی کے پاس
سیلابِ غم کی زد پہ دلوں کی فصیل ہے

نسلوں پہ بھی محیط ہے یہ حال اب حضور
جیسے گڑی ہوئی کوئی سینے پہ کیل ہے

یادِ نبیؐ ہو دل میں تو مشکل نہیں ہے کچھ
صحرا بھی مشتِ خاک، سمندر قلیل ہے

کیسے ہمارے حق میں نہیں ہوگا فیصلہ
ہم بے گھروں کا شاہِ مدینہ وکیل ہے

چلنا اگر ہے ٹھرا تو اے ہمسفر چلو
سوئے مدینہ، جانب طیبہ نگر چلو

گلیاں ہیں اس دیار کی جنت سے بھی سوا
بطحا کی سمت آؤ اے اہل نظر چلو

اس رحمتِ تمام کی دہلیز کی طرف
پڑھتے ہوئے درود، لئے چشم تر چلو

اک دن پہونچ ہی جائینگے اس زمین پہ
صلِ علیٰ کا ورد کئے بے خطر چلو

دینے درِ حضور پہ نذرانہ جان کا
لیکر دلوں میں اپنے غمِ معتبر چلو

در بہ در ہونے والوں کا گھر آپؐ ہیں
شب گزیدوں کے حق میں سحر آپؐ ہیں

اک نہ اک دن مرے دن بھی پھر جائینگے
میرے حالات سے باخبر آپؐ ہیں

ہر نفس آپ پر ہو درود و سلام
پیکرِ نور، خیر البشر آپؐ ہیں

رخ بدلتے رہینگے زمانے کا وہ!
ہر قدم جن کے پیشِ نظر آپ ہیں

شانِ محبوبی یہ کہتی ہے کہ اُن کے نام پر،
جاں نچھاور کیجئے، دل کی سلامی دیجئے

چاہت ہیں انکی، ایسا سراپا مرا رہے
جس کی نظر پڑے وہ مجھے دیکھتا رہے

ابکے بھی صبا انکے در سے اِدھر آجانا
پلکوں کے چراغوں کی لو اور بڑھا جانا

شامل انہی لوگوں میں مجھکو بھی خدا کردے
دنیا نے جنہیں انکی چوکھٹ کا گدا جانا

نقطے سے بھی کچھ کم ہے اس ذات سے آگاہی
صدیوں میں زمانے نے جانا بھی تو کیا جانا

کرم تو دیکھئے احساں تو دیکھئے ان کا
مجھے خزاں سے نکالا بہار میں رکھا